© rasailojaraid.com

مریم آباد: یادوں کے سو سال

مصنّف : جوزف ارشد
ناشر : مکتبہ عناویم پاکستان، پوسٹ بکس نمبر ۷۹۱۸، کراچی - ۷۴۴۰۰
اشاعت : مارچ ۱۹۹۶ء
صفحات : ۱۱۷
قیمت : ۴۵ روپے

وطنِ عزیز پاکستان اور بالخصوص پنجاب میں اشاعتِ مسیحیت کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے جانتے ہیں کہ بیسویں صدی میں جب یورپی اور امریکی مسیحی مبشّرین نے اشاعتِ مسیحیت کے لیے پنجاب میں مراکز قائم کیے تو اُنھوں نے معاشرے کے با اثر طبقات کو اپنا ہدف بنایا، مگر جلد ہی اُن پر واضح ہو گیا کہ اِن طبقات میں تبدیلیِ مذہب کا امکان بہت کم ہے۔ چنانچہ با اثر اور اعلیٰ طبقوں کو چھوڑ کر اُن لوگوں میں کام شروع کیا گیا جو

——کھیتوں اور دیگر جگہوں سے مردہ جانوروں کی لاشیں اٹھاتے تھے۔
——مردار جانوروں کی کھالیں اتارتے تھے۔
——اُن لوگوں کی لاشیں دفناتے جن کا کوئی والی وارث نہ ہوتا تھا۔
——قانون کے تحت سزا پانے والے مجرموں کو پھانسی پر چڑھاتے تھے۔
——بیت الخلاؤں کی صفائی کرتے اور تفریحی جگہوں سے گندگی اٹھاتے تھے۔

ذات پات کے حوالے سے معاشرے کے سب سے نچلے اور پسے ہوئے لوگوں کے لیے نئے مذہب (مسیحیت) میں کشش تھی، مگر اِن کا معاشرتی اور اقتصادی انحصار بہرحال اعلیٰ طبقوں پر تھا جو مذہب کے حوالے سے اپنی ثابت قدمی کے لیے معروف تھے۔ مسیحی مبشّرین اور مناّدوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے نئے "ہم مذہبوں" کو اپنے پاؤں پر کھڑا کریں اور نو مسیحیوں پر اپنے غیر مسیحی اعزہ و اقارب کا کوئی معاشرتی دباؤ نہ ہو۔ یہ وہی دور تھا جب پنجاب کا نہری نظام ترقی کر رہا تھا اور پنجاب کی بنجر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمینیں زیرِ کاشت لائی جا رہی تھیں۔ مسیحی مبشّرین نے مناسب خیال کیا کہ پنجاب میں حکومت سے زمینیں حاصل کی جائیں اور خالص مسیحی دیہات آباد کیے جائیں۔ اِس سلسلے کا پہلا کاتھولک مسیحی گاؤں ۱۸۹۳ء میں ضلع گوجرانوالہ (اور اب ضلع شیخوپورہ) میں خانقاہ ڈوگراں سے سات میل کے فاصلے پر "مریم آباد" کے نام سے آباد کیا گیا۔ یہ گاؤں آج مقدّس مریم کی زیارت گاہ کے باعث ہر سال اڑھائی تین لاکھ کاتھولک مسیحیوں کے زیارتی سفر کی منزل ہوتا ہے۔ اس کی صد سالہ تقریبات کے حوالے سے جناب جوزف ارشد نے زیرِ نظر کتاب تالیف کی ہے۔ کاتھولک مسیحی حلقوں میں اِس کا مطالعہ جہاں "عقیدت و تقدّس" کے جذبات سے کیا جائے گا، وہیں عمرانیات کے طلبہ اس حوالے سے مطالعہ کریں گے کہ مذہب کے احساسِ وحدت کی بنیاد پر آباد ہونے والے گاؤں نے کیا پایا اور کیا یہ تجربہ کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے؟ گاؤں کے مالک (یا زمیندار) "مشن"، اِس کے ذمہ دار کار پردازوں (یعنی غیر ملکی بلجئین مبشّرین) اور مقامی آبادی کے درمیان کیسے تعلقات رہے؟ مبشّرین اشاعتِ دین کی محبت سے سرشار تھے، اُنھوں نے اس مقصد کے لیے قابلِ قدر قربانیاں دیں، مگر گاؤں کی برادری میں معاشرتی انصاف اور برادرانہ محبت کا فقدان ہی رہا۔ اِس کے کیا سماجی و سیاسی اسباب تھے؟ جنابِ مؤلف نے اِن سوالوں کو نہ صرف چھوا ہے، بلکہ واشگاف انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔

کتاب مریم آباد کی مجمل تاریخ ہے۔ اِس میں گاؤں کی آباد کاری، اہم واقعات، سانحات، مقامی آبادی کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ذکر آگیا ہے۔ کتاب کے ایک تقریظ نگار اور جناب مؤلف نے یہ کہا ہے کہ وطنِ عزیز میں اقلیتیں دباؤ اور گھٹن محسوس کرتی ہیں۔ یہ صورت حال قابلِ توجہ ہے۔ اقلیتوں کے دینی اور سیاسی رہنماؤں کو یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن کے رویّوں سے اکثریت کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور اِسی طرح اکثریتی رہنماؤں کو اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ اُن کی سوچ رواداری، وسعتِ قلبی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف تو نہیں؟ بین المذاہب مکالمے میں شامل افراد شاید اِس طرف پیش رفت کر سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ مکالمہ واقعتاً عام لوگوں کے ساتھ ساتھ مذہبی رہنماؤں کی سطح پر بھی ہو۔ مسیحی مذہبی رہنماؤں اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں (جو مذہبی حوالے سے عوام پر کوئی اثر نہیں رکھتے) کے درمیان مکالمے سے اگر آج تک کوئی نتائج برآمد نہیں ہوئے، تو یہ بات چنداں تعجب انگیز نہیں۔

"مریم آباد: یادوں کے سو سال" کمپیوٹر کی کتابت میں سفید کاغذ پر چھپی ہے، کارڈ بورڈ کی جلد پر "مریم آباد" کی تاریخ کے حوالے سے چند تصاویر دی گئی ہیں۔ قیمت آج کے مہنگائی کے دور میں مناسب ہے۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com